UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

فقہ حنفی میں طبقات الفقہاء وطبقات المسائل کا تحقیقی مطالعہ

A Scholarly Study of Legal Standing of the Jurists in the Hanafī School of thought and the Catagorization of Issues

Dr. Mūftī Dilāwar Khān
Lecturer, Garrison, Degree College & University, Rawālpindī
Pākistān
Email: dilawarkhanazizkhan@gmail.com
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

Abstract:

The scholars of Ḥanafī school of thought fall into different categories as far as quality of their work is concerned as the opinions and reasoning of some scholars carry more weight than of others. Some scholars classify jurists into five categories while others divide them into seven different wings. Similarly legal juridical issues have also been identified as belonging to different groups and have been documented in books varying in terms of Quality and authenticity, but all the contents in any of those books can not be considered for passing a ruling for lack of credibility. It is essential that a scholar in Islam possesses a good knowledge of Shari'ah, so no confusion whatsoever, arises from the ruling once passed. If a scholar fails to differentiate the authentic and unauthentic sources of Islamic Jurisprudence, he may not be able to pass an accurate judgement. This is the basic requirement for the position of a Judge in Islam. This paper describes the legal requirements and qualification for a Ḥanafī jurist and also elaborates on the categorization of legal issues

***Keywords**: Ḥanafī, Abū Yoūsaf, Bazdawī, Fiqh, Kamāl Pāshā*

ہر مفتی عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ حنفی فقہاء کے طبقات اور درجات کو پہچانے تاکہ ہر فقیہ کو اس کے علمی مقام کے مطابق درجہ دے سکے۔ متقدمین حنفی فقہاء کے پانچ طبقات ہیں۔

(۱)۔ پہلا طبقہ متقدمین فقہاء کا ہے اور وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔ مثلاً امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور ان کے علاوہ وہ حضرات بھی ان میں شامل ہیں جو نئے احکام اور مسائل کو ادلۃ اربعۃ کی روشنی میں حل کرنے کی صلاحیت کے ساتھ ان قواعد اور اصولوں کی روشنی میں جو ان کے استاد امام ابو حنیفہؒ نے متعین کیے، اگرچہ ان حضرات نے بعض فروعی احکام میں اپنے استاد سے اختلاف کیا ہو، لیکن یہ حضرات اصول میں امام ابو حنیفہؒ کے مقلد

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

تھے ،ان کے علاوہ باقی فقہاء مثلا امام مالک ،امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے اصول اور فروع دونوں میں امام صاحب کی مخالفت کی۔[1] یہ طبقہ فقہاء کا مجتھد فی المذہب کہلاتا ہے۔

(۲)۔ دوسرا طبقہ متاخرین اکابر کا ہے، جیسے ابو بکر احمد خصاف ، امام ابو جعفر احمد طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ عبدالعزیز حلوانی، شمس الائمہ محمد سرخسی، فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی اور امام فخر الدین جو قاضی خان کے نام سے مشہور ہیں، برھان الدین محمود جو "الذخیرہ البرہانیہ "اور "المحیط البرہانی" کے مؤلف ہیں، شیخ طاہر بن احمد جو "النصاب "اور "الخلاصۃ" کے مؤلف ہیں۔ اور ان کے علاوہ وہ علماء جو انہی کی طرح تھے، یہ حضرات ان نئے مسائل کے اندر اجتہاد کی صلاحیت رکھتے تھے کہ جن مسائل میں صاحب المذہب سے کوئی روایت منقول نہ ہوتی ، انہی اصول اور قواعد کی روشنی میں جو ان کے امام نے مقرر کیے، یہ فقہاء کا طبقہ اصول اور فروع دونوں میں اپنے امام کی مخالفت نہیں کرتا تھا اور نہ ہی اس کی صلاحیت اور قدرت رکھتا تھا، فقہاء کا یہ طبقہ مجتھد فی المسائل کہلاتا ہے۔

(۳)۔ تیسرا طبقہ مقلدین اصحاب تخریج کا ہے ، مثلا امام رازی وغیرہ ، یہ حضرات کلی طور پر اجتہاد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، لیکن ان کو اپنے مذہب کے اصولوں پر مکمل گرفت تھی، اگر کوئی قول جو ذو معنی ہو یا مبہم ہو، اس کی صحیح تفصیل اور تشریح کی صلاحیت ان میں موجود تھی، اگر کوئی نیا مسئلہ پیش آجاتا تو یہ حضرات اس مسئلہ کو اس کی امثال اور نظائر پر قیاس کر سکتے تھے، لہٰذا فقہاء کا یہ طبقہ مجتہدین فی التخریج کہلاتا ہے۔

(۴)۔ چوتھا طبقہ اصحاب ترجیح کا ہے، جیسے ابو حسین احمد قدوری، شیخ الاسلام برھان الدین علی المرغینانی جو ہدایہ کے مصنف ہیں۔ ان کی علمی صلاحیت یہ تھی کہ وہ اقوال میں اختلاف کی صورت ایک قول کو ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ جیسے کہ دو اقوال میں سے کسی ایک قول کے بارے میں کہنا، ہذا أصح وغیرہ یعنی ایک روایت کو دوسری ضعیف روایت پر ترجیح دینا۔ اسی طرح ان فقہاء کا یہ کہنا کہ یہ قول قیاس کے زیادہ قریب ہے یا ان کا یہ کہنا کہ لوگوں کے لیے اس قول کے اختیار کرنے میں زیادہ آسانی ہے۔ فقہاء کا یہ طبقہ مجتہد فی الترجیح کہلاتا ہے۔[2]

(۵)۔ پانچواں طبقہ ان فقہاء مقلدین کا ہے کہ جو اقوی ، قوی ، ضعیف، ظاہر المذہب ، ظاہر الروایات اور روایات نادرۃ اقوال کے درمیان فرق اور تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ جیسے شمس الائمہ الکردری وغیرہ۔

ان کے علاوہ جو اصحاب متون متاخرین میں سے ہیں، جیسے "المختار"، "الوقایۃ" اور "المجمع" کے مصنف ہیں اور عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلی حنفی "المختار" کے مصنف ان کی پیدائش ۵۹۹ھ اور وفات ۶۸۳ھ میں ہوئی، یہ سب حضرات اس طبقہ میں شامل ہیں۔

ان حضرات کا مقام یہ تھا کہ ان فقہاء نے اپنی کتب کے اندر اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو نقل نہیں

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

کیا، یہ فقہاء کا ادنی طبقہ ہے۔

بہر حال فقہاء کا یہ طبقہ وہ ہے کہ جنہوں نے علم کو مدون کیا اور کتب لکھیں۔ ان حضرات کے لئے ضروری ہے کہ یہ حضرات اپنے فقہاء کی تقلید کریں اور جب فتوی دیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ بطورِ حکایت کے طریقے سے دیں۔[3]

ابنِ کمال باشا کے ہاں فقہاء حنفیہ کے طبقات

نام احمد بن سلیمان بن کمال باشا رومی جو "الإصلاح والإیضاح" کے مصنف ہیں، انہوں نے فقہاء کے سات طبقات بیان کیے ہیں۔ انہوں نے دراصل مجتہدین میں سے جو مجتہد مطلق ہیں وان کو اول درجے میں رکھا، جیسے ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل وغیرہ اور ساتویں طبقہ کے اندر ان علماء کو رکھا کہ جو قوی اور ضعیف اقوال میں بھی فرق کرنے کی صلاحیت اور ملکہ نہیں رکھتے ہیں۔

امام عبد الحئ لکھنوی فرماتے ہیں کہ امام کفوی کی تقسیم اور ابن کمال باشا رومی کے تقسیم میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ جس نے پانچ فقہاء کے طبقات کو بیان کیا، اس نے نہ ان فقہاء کو شامل کیا جو مجتہد فی المطلق تھے اور نہ ہی ان فقہاء کو جو اقوال کے درمیان تمیز کی صلاحیت رکھتے تھے۔[4]

عبد الحئ لکھنوی کی فقہاء کی درجہ بندی پر نظر

عبد الحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ ما قبل میں جو فقہاء کی تقسیم بیان کی گئی ہے وہ محل نظر ہے، اگرچہ دونوں تقسیم صحیح ہیں لیکن جس طرح ان حضرات نے فقہاء کی درجہ بندی کی ہے وہ محل نظر اور قابل اعتراض ہے۔

1۔ ان حضرات نے امام ابو یوسف اور امام محمد کو مجتہد فی المذہب کے طبقہ کے اندر شامل کیا کہ وہ اپنے امام کی اتباع کرتے تھے اور اصول میں ان کی مخالفت نہیں کرتے تھے حالانکہ یہ بات درست نہیں، ان کی اپنے امام کے ساتھ اصول میں مخالفت کم نہیں، امام غزالی اپنی کتاب المنخول کے اندر تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ان دونوں فقہاء نے اپنے استاد امام ابو حنیفہ کی ثلث مذہب میں مخالفت کی ہے۔

شمس الائمۃ محمد بن عبد الستار کردوی "ردالمنخول" میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ یہ بات اچھے طریقے سے جانتے تھے کہ ان کے شاگرد امام محمد اور امام یوسف اجتہاد کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں، اسی لیے ان کو حکم دیا کہ اگر کوئی میرا قول ظاہری دلیل کے خلاف ہو تو اس کو چھوڑ دینا اور فرمایا کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ میرے قول یا مذہب کو اختیار کرے جب تک اس کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کو کہاں سے لیا ہے اور اس کی کیا دلیل ہے اور تقلید سے منع فرمایا۔ اسی لیے ان حضرات نے بعض مسائل کے اندر امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر دوسرے پر

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

عمل کیا کیونکہ ان کو اس پر کوئی دلیل نہیں ملی اور امام صاحب کے قول کے خلاف ان کو دلیل مل گئی۔

حق بات یہ ہے کہ وہ دونوں مجتہد فی المذہب نہیں تھے بلکہ مجتہد مطلق تھے اور اجتہاد کے درجے پر فائز تھے۔ مگر انہوں نے اپنے استاد کی تعظیم واکرام اور ان کی علمی اجتہادی صلاحیت کی وجہ سے وہ دونوں ان کے راستے پر چلے اور ان دونوں نے اس بات کا تہیہ کیا کہ وہ ان کی مذہب کو پھیلائیں گے اور ان کی اس میں مکمل مدد کریں گے۔اسی لیے انہوں نے اپنے آپ کو امام صاحب کی طرف منسوب کیا، شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "الانصاف" میں اور عبدالوہاب شعرانی نے ان کو مجتہدین منتسبین میں شمار کیا ہے۔

۲۔ اسی طرح ان حضرات نے امام خصاف، امام طحاوی اور امام کرخی وغیرہ حضرات کے بارے میں یہ کہا کہ وہ اصول اور فروع میں اپنے امام کی مخالفت کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

یہ بات بھی محلِ نظر ہے، طبقات الحنفیہ میں ان کے اقوال مذکور ہیں اور اسی طرح ان کے اقوال اور آراء کتب فرعیہ اور اصلیہ دونوں قسم کی کتابوں میں موجود ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات میں اصول اور فروع میں اپنے امام کے اقوال کی مخالفت کی صلاحیت موجود تھی۔

۳۔ ان حضرات نے ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص کو (۳۷۰ھ) کو تیسرے طبقہ کے اندر شامل کیا اور کہا کہ وہ اجتہاد کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتے تھے، حالانکہ شمس الائمہ حلوانی، سرخسی، بزدوی اور قاضی خان کو مجتہد فی المسائل والے طبقہ میں شامل کیا گیا ہے، باوجود اس کے کہ امام رازی ان سب سے زمانہ اور علمی شان کے لحاظ سے اعلی تھے اور دقیق مسائل پر بھی ان کو مکمل گرفت حاصل تھی۔[5] صاحب قدوری کی علمی شان قاضی خان سے کم نہیں، اگرچہ ان سے بڑے بھی نہیں لیکن ان سے کم بھی نہیں تھے، لیکن قاضی خان کو صاحب قدوری پر درجہ بندی میں مقدم کیا، یہ بات بھی قابلِ نظر اور اعتراض ہے۔

مراتب مسائل

جس طرح فقہاء کے طبقات کی تقسیم کی جاتی ہے اسی طرح مسائل کے درجات کی بھی تقسیم کی گئی ہے۔ مسائل کے درجہ بندی میں فائدہ مفتی کو یہ ہے کہ تعارض کے وقت ادنی کو اعلیٰ پر ترجیح نہیں دے گا۔امام کفوی نے اعلام الاخیار میں اور علامہ ابن عابدین شرح عقود رسم المفتی میں اصحاب حنفیہ کے مسائل کو تین طبقات پر منقسم کیا ہے۔

ا۔طبقہ اولی

طبقہ اولی کے اندر مسائل الاصول ہیں جن کو ظاہر الروایۃ کا نام بھی دیا جاتا ہے اور یہ تمام مسائل اصحاب مذہب سے مروی ہیں اور یہ تمام مسائل کتب ظاہر الروایۃ کے اندر موجود ہیں اور وہ امام محمد کی چھ کتب ہیں جن کے

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

اندر یہ مسائل موجود ہیں اور مشہور روایت یہی ہے کہ چھ کتب ہی ظاہر الروایۃ میں شامل ہیں اور وہ چھ کتابیں امام محمد کی درج ذیل ہیں۔

جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، مبسوط، زیادات۔[6]

ان تمام کا نام ظاہر الروایۃ اس لیے رکھا جاتا ہے کیونکہ یہ امام محمدؒ سے ثقہ روات سے مروی ہیں کیونکہ یہ مسائل متواتر یا مشہور طریقے سے مروی ہیں، یہ مسائل اور کتب آج تک اس طریقے سے مروی ہیں کہ روایت کرنے والے اتنے لوگ موجود رہے کہ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال اور عقلاً ناممکن ہے، یہ تمام مسائل اصحاب مذہب سے مروی ہیں، وہ ابو حنیفہ، امام یوسف اور امام محمدؒ ہیں اور کچھ مسائل امام زفر اور حسن بن زیاد اللؤلوی سے بھی مروی ہیں لیکن اکثر مسائل اصحاب مذہب ہی سے مروی ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ظاہر الروایۃ کتب میں اصحاب مذہب ہی کے اقوال ہیں۔

امام حاکم شہید نے ان تمام کتب کے مسائل کو جمع کیا اور ان کا نام انہوں نے "الکافی" رکھا، اس کتاب کی شرح بہت سارے علماء نے لکھی ہے لیکن مشہور و معروف شمس الائمہ سرخسی کی شرح ہے جس کا نام انہوں نے "المبسوط" رکھا۔[7]

(جامع صغیر)

یہ کتاب پندرہ سو بتیس مسائل پر مشتمل ہے، اس میں ان تمام مسائل کو جمع کیا گیا ہے جو امام محمد نے امام یوسف سے روایت کیے ہیں اور ان تمام کو امام یوسف نے ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے، ایک سو ستر مسائل میں اختلاف ہے اور صرف دو مسائل میں قیاس اور استحسان کا ذکر ہے اور اس پر عبد الحئ لکھنوی نے حاشیہ بھی لکھا ہے۔

ابن عابدین فرماتے ہیں کہ امام محمد بن حسن شیبانی کی جو تالیف صغیر اور کبیر کے نام سے موسوم ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جو صغیر کے نام سے موسوم ہیں اس کی روایت امام یوسف سے ہے اور جو کبیر کے نام سے موسوم ہیں اس کی روایت امام اعظم سے بلاواسطہ مروی ہے۔

(جامع کبیر)

یہ کتاب بعینہ جامع صغیر کی طرح ہے یعنی راویوں اور مسائل کے لحاظ سے اس کتاب میں جو امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے بلاواسطہ مسائل روایت کیے ہیں ان کا ذکر ہے، ابن شجاع فرماتے ہیں کہ فقہ کے اندر اسلام میں اس جیسی کتاب تالیف نہیں کی گئی۔

(سیر صغیر)

امام محمد نے اس کتاب میں جہاد، مغازی، سیاست اور حکومت کرنے سے متعلق مسائل کو جمع کیا ہے، اس

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

کتاب کے راوی بھی امام احمد بن حفصؒ ہیں۔

(سیر کبیر)

اس کتاب کے اندر بھی امام محمدؒ نے جہاد، مغازی، سیاست اور حکومت کرنے سے متعلق مسائل جمع کیے ہیں لیکن ذرا تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر ہے اور یہ امام محمد کی سب سے آخری تصنیف ہے۔

اس کتاب کے راوی سلیمان جوزجانی اور اسماعیل بن ثوابہؒ ہیں۔

اس کتاب کے اندر امام ابو یوسف کا نام مذکور نہیں، جب بھی امام محمد کو ان سے روایت کرنے کی احتیاجی ہوئی تو "أخبرنی الثقہ" کہہ کر روایت کرتے۔

(مبسوط)

یہ کتاب اصل کے نام سے مشہور ہے نیز یہ کتاب امام محمد کی سب سے بڑی تصنیف ہے، اس کتاب میں ہزاروں مسائل جمع کیے گئے ہیں، اس میں مذکورہ تمام مسائل کا جواب امام ابو حنیفہ نے خود دیا ہے نیز اس کتاب کے اندر وہ مسائل بھی مذکور ہیں جن میں صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔

امام محمد نے ابتداء اس میں صرف نماز کے مسائل کو جمع کیا، ان کا نام کتاب الصلوۃ رکھا، پھر بیوع کے مسائل کو جمع کیا، ان کا نام کتاب البیوع رکھا، اسی طرح پھر ایمان اور اکراہ کے مسائل کو جمع کیا۔[8]

اس کتاب میں مسائل ذکر کرنے کا طریقہ امام محمدؒ نے یہ اختیار کیا کہ سب سے پہلے مسئلہ متعلقہ سے متعلق آثار ذکر کرتے ہیں پھر ان آثار سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں، ان کو ذکر کرتے ہیں اور مسائل کا خاتمہ امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلی کے اختلاف پر کیا جاتا ہے، اس کتاب کے راوی احمد بن حفصؒ ہیں۔[9]

(زیادات)

اس کتاب میں وہ مسائل جمع کیے گئے ہیں جو اصل کتاب (مبسوط) پر اضافہ ہیں۔ امام حاکم شہید کی کتاب "الکافی" کے نام سے جو مشہور ہے یہ کتاب اپنے نام ہی کی طرح ہے، مطلب اس کا مطالعہ امام محمد کی چھ کتب کے مطالعہ سے مستغنی کر دیتا ہے، امام محمد کی جو چھ کتب ہیں ان کا مطالعہ قاری کے لیے مشکل ہے، کیونکہ ان کے ابواب موجودہ فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق نہیں ہیں، لہذا امام حاکم نے الکافی کو ابواب فقہیہ کی ترتیب پر مرتب کیا تو قاری کے لیے اب ان کا مطالعہ آسان ہو گیا ہے۔[10]

(طبقہ ثانیہ) نوادر

نوادر وہ مسائل ہیں جو اصحاب مذہب سے مروی ہیں لیکن کتب مذکورہ میں نہیں ہیں بلکہ امام محمد کی

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

دوسری کتب میں موجود ہیں وہ کتب کیسانیات،ھارونیات، جرجانیات اور رقیات وغیرہ ہیں۔[11]

(نوادر کتب اور ان کے راویوں کی تفصیل)

(کیسانیات) امام کوثری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کیسانیات اور امالی ایک ہی کتاب کا نام ہے اور امام لکھنوی فرماتے ہیں کہ کیسانیات میں وہ مسائل ہیں جو امام محمد نے ابو عمرو سلیمان بن شعیب کو لکھوائے، اور مفتاح السعادۃ کے مصنف اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ امالی اور کیسانیات دو الگ الگ کتب ہیں۔

(ہارونیات)

ہارونیات میں وہ مسائل ہیں جن کو ہارون الرشید کے زمانے میں جمع کیا گیا اور یہی بات مراقی کے حاشیہ طحطاوی میں ہے،مفتاح السعادہ میں ہے کہ ہارونیات سے مراد وہ مسائل ہیں جن کو ہارون نامی شخص نے جمع کیا تھا اسی لئے ان کو ہارونیات کہا جاتا ہے۔

(جرجانیات)

جرجانیات سے مراد وہ مسائل کہ جن کو امام محمد نے جرجان کے مقام پر جمع کیا، یہی بات مراقی کے حاشیہ طحطاوی میں ہے، کشف الظنون میں یہ بات درج ہے کہ علی بن صالح جرجانی نے ان مسائل کو جمع کیا جو انہوں نے محمد بن حسن سے روایت کیے تھے اس لئے ان کو جرجانیات کہا جاتا ہے۔[12]

(رقیات)

رقیات سے مراد وہ مسائل ہیں جن کی امام محمد نے تشریح اس وقت بیان کی جب وہ رقہ شہر کے قاضی تھے،ان مسائل کو محمد بن سماعہ نے امام محمد سے روایت کیا ہے اور کافی عرصہ محمد بن سماعہ امام محمد کے ساتھ رہے،الرقہ راکے فتحہ کے ساتھ اور کاف کی تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے(رَقّہ) یہ فرات کے کنارے ایک مشہور شہر ہے۔

(نوازل اور واقعات)

یہ وہ مسائل ہیں کہ ائمہ مذاہب سے کوئی روایت ان میں منقول نہیں، بلکہ بعد کے مشائخ نے ان کا حل پیش کیا ہے،ان کو فتاوی یا واقعات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ وہ مسائل ہیں جو متاخرین مجتہدین نے استنباط کیے ہیں۔

ان مجتہدین میں عصام بن یوسف، ابن رستم، ابو سلیمان جوزجانی، ابو حفص بخاری اور ان کے بعد محمد بن سلمہ، محمد بن شامل، نصیر بن یحی اور ابو النصر قاسم بن سلام وغیرہ شامل ہیں، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ مجتہدین متاخرین اصحاب مذہب سے اختلاف بھی کرتے، اس کی وجہ یہ ہوتی کہ جب متاخرین کے سامنے نئے دلائل سامنے آتے، تو وہ اصحاب مذہب کے قول کو چھوڑ کر دوسرے قول پر عمل کرتے۔

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

کتب فتاوی میں سب سے پہلے جس نے کتاب لکھی وہ ابو الیث سمرقندی کی ہے جس کا نام (النوازل) رکھا، پھر ان کے بعد آنے والے مشائخ نے فتاوی اور نوازل کو جمع کیا مثلاً "الواقعات" امام ناطفی کی اور "الواقعات" صدر الشہید کی ہے۔[13]

اس طبقہ ثالثہ کے مسائل عام کتب فقہ میں مذکور ہیں لیکن ان کتب میں جو مسائل مذکور ہیں وہ خلط ملط ہیں ان کے اندر اس بات کا دھیان نہیں رکھا گیا کہ یہ طبقہ اول کے مسائل ہیں یا ثانی یا ثالث طبقہ کے ہیں، بہت ہی کم ان کتب میں طبقہ اولی اور طبقہ ثانیہ کے مسائل پر نشاندہی کی گئی ہے، فقہاء حنفیہ میں سے صرف ایک ایسے فقیہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی کتاب کے اندر اس بات کا خیال رکھا، وہ امام رضی الدین سرخسی ہیں جن کی کی کتاب (المحیط) ہے۔ اس کتاب کے اندر مصنف نے اولاً اصول کے مسائل کو ذکر کیا، پھر نوادر اور پھر فتاوی اور نوازل کے مسائل کو ذکر کیا ہے لیکن اس دور کے اندر اس کتاب کے نسخے مفقود ہو چکے ہیں اس سے استفادہ کرنا ناممکن ہے۔[14]

طبقہ ثالثہ کی تفصیل

ائمہ مذاہب کا دور گزرنے کے بعد نئے نئے مسائل پیش آئے تو وقت کے فقہاء کو ان مسائل کے حل کی ضرورت پیش آئی، کیونکہ ان حضرات کے پاس ان نئے مسائل میں کوئی روایت ائمہ مذاہب سے منقول نہیں تھی، انہوں نے ان مسائل کا حل نکالا۔ یہ فتاوی جات صدر اول میں ہی لکھے جانے شروع ہوئے اور ان کی کتب بھی مخصوص تھیں اور متاخرین نے ان مسائل کو باقی مسائل سے علیحدہ جمع کیا جیسے جامع قاضی خان اور خلاصتہ الفتاوی ہیں، جیسے امام رضی الدین سرخسی نے اپنی کتاب محیط کے اندر اولا مسائل الاصول، پھر نوادر اور پھر فتاوی جات کا ذکر کیا اور اسی طرح ان فتاوی جات کا سلسلہ آج تک جاری ساری ہے۔[15]

نوادر اور نوازل کا مقام

کتب ستہ کا مقام فقہ حنفی میں اس طرح ہے جس طرح صحیحین کا کتب احادیث میں ہے اور نوادر کا مرتبہ ایسا ہے جیسے سنن اربعہ کا حدیث کی کتب میں ہے اور محیط رضوی کی مثال مشکوۃ المصابیح کی طرح ہے کہ جس طرح مشکوۃ المصابیح میں صحیحین اور سنن اربعہ کی احادیث وغیرہ کو جمع کیا گیا ہے، اسی طرح ان کی کتاب میں ظاہر الروایہ اور نوادر کے مسائل کو جمع کیا گیا ہے۔

فتاوی جات کا مقام نوادر سے کم ہے کیونکہ ان میں اصحاب مذہب کے اقوال کو جمع نہیں کیا گیا اور نہ یہ بات سند سے کہی جاسکتی ہے کہ ان مسائل کے کہنے والا کون ہیں کیونکہ ان فتاوی کو فقہاء نے جمع تو کیا ہے لیکن ان کی حالت روایت اور درایت کے اعتبار سے معلوم نہیں، لہذا نہ ان پر عمل کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو قبول کیا جائے گا،

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

جب تک ان کی اصل، اصول یا نوادر میں نہ ملے اور اگر ان میں ایسا کوئی جزیہ موجود ہو جو ائمہ مذاہب کے قواعد کے موافق ہو، مخالف نہ ہو اور اس کی صحت پر دلیل بھی قائم کی جاسکے تو اس کو لیا جاسکتا ہے۔ بہر حال روایات غریبہ کے ناقلین الگ الگ ہیں، یعنی احاد طریقے سے مروی ہیں اور ان کو نقل قرون متاخرہ کے علماء نے کیا ہے۔ لہذا نہ تو ان کا اعتبار ہو گا اور نہ ہی ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، ان کا درجہ مسائل کے اندر ایسا ہی ہو گا، جیسے فہارس اور جامع کا درجہ ہوتا ہے۔[16]

شاہ ولی اللہ اور عبد الحیی لکھنویؒ کے ہاں مسائل کے طبقات کی تقسیم

شیخ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے مسائل کے طبقات کی تقسیم چار درجوں میں کی ہے۔

(1) جو مسائل ظاہر الروایۃ میں موجود ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ ان کو ہر حال میں قبول کیا جائے گا، خواہ وہ اصول کے موافق ہوں یا مخالف ہوں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر الروایۃ میں جو مسائل موجود ہیں، ان کو ہر حال میں قبول کیا جائے گا۔

یہ اس صورت میں ہے کہ ائمہ مذاہب کا اس مسئلہ پر اتفاق ہو، اور اگر امام صاحب کا اپنے اصحاب سے اختلاف ہو، تو اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ جب امام صاحب کا صاحبین کے ساتھ کسی مسئلہ کے حکم پر اتفاق ہو تو پھر اس کو مقدم کرنا لازمی ہے، یعنی فتوی اسی پر دیا جائے گا۔

۲۔ اور اگر صاحبین کا امام صاحب سے کسی قول سے اتفاق نہ ہو، کیونکہ وہ مسئلہ ایسا ہے کہ وہ زمانہ، مکان اور عرف کے لحاظ سے متغیر ہو سکتا ہے، اس صورت میں صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے گا، اگر وہ ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ اس میں تغیر آسکے، تو پھر مجتہد مفتی کے لیے اپنی قوت ادراک اور علمی صلاحیت کی بنیاد پر کسی ایک رائے پر فتوی دینا جائز ہے، اگر مفتی مجتہد نہیں ہے تو پھر اس کیلئے لازمی ہے کہ قاعدہ مذکورہ کے مطابق فتوی دے، امام صاحب کے قول کو مقدم کرے، پھر امام یوسف کے قول کو، پھر امام محمد، پھر امام زفر اور پھر حسن بن زیاد کے قول کو لے گا اور اس پر فتوی دے گا۔ اس لیے کہ آپ دیکھیں گے فقہاء حنفیہ نے بعض اوقات اصحاب مذہب کے اقوال میں سے امام صاحب کی رائے پر کسی اور کے قول کو ترجیح دی ہے جیسے کہ سترہ مسائل کے اندر امام زفر کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ سو اس وقت جو فقہاء نے جن مسائل میں کسی ایک قول کو ترجیح دی ہے ہم اس کے پابند اور مکلف ہیں، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ دلائل میں مضبوط، صاحبِ علم اور صاحبِ نظر تھے۔

دوسری قسم ان مسائل کی ہے کہ جو روایت شاذہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین سے مروی ہیں، ان کا حکم یہ

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

ہے کہ ان کو اس صورت میں قبول کیا جائے گا جب وہ اصول کے موافق ہوں اگر وہ اصول کے مخالف ہیں تو پھر ان کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ متاخرین نے جن مسائل کی تخریج کی ہے اور جمہور علماء کا ان پر اتفاق ہے ان کو ہر حال میں قبول کیا جائے گا۔

۴۔ چوتھی قسم ان مسائل کی ہے کہ جن پر جمہور اصحاب کا اتفاق نہیں ہے بلکہ ان مسائل کی تخریج متاخرین نے کی ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ مفتی ان کو اصول اور سلف کے کلام کے نظائر پر پیش کرے گا، اگر وہ اصول اور سلف کے نظائر کے موافق ہیں انہی کو لے کر انہی پر فتوی دے گا، ورنہ ان کو چھوڑ دے گا۔

شاہد آپ اس بحث سے سمجھ چکے ہوں کہ یہ چیز فتاوی معتبرہ میں نہیں ہے جیسے "خلاصۃ"، "ظہریہ" اور فتاوی قاضی خان ہیں، ان کے مصنفین نے اصحاب مذہب، اصحاب تخریج کے اقوال کے درمیان فرق بیان نہیں کیا ان کے اندر وہ مسائل بھی موجود ہیں جو بعض اصحاب مذہب سے منقول ہیں ان مسائل میں سے بعض کی تخریج فقہاء متاخرین نے کی ہے، بعض مسائل کو ان کے بعد والے فقہاء نے استنباط بھی کیا ہے، لہٰذا مفتی اور ناظر کیلئے لازمی ہے کہ وہ ہر قول کی نسبت اصحاب مذہب کی طرف منسوب نہ کرے، بلکہ ان مسائل کے درمیان فرق اور امتیاز کرنے کی کوشش کرے کہ یہ قول اصحاب مذہب کا، اصحاب تخریج یا فقہاء کا ہے۔ لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں ہے کہ ان کے اقوال کے درمیان فرق اور امتیاز کیا جاسکے۔

عبدالحیئ لکھنویؒ کے ہاں مسائل کے طبقات کی درجہ بندی

1۔ وہ مسائل جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہوں یا موافق ہوں عام ہے کہ ان کا ثبوت قرآنی آیات، سنن نبویہ یا اجماع امت سے یا ائمہ مذاہب کے قیاس سے ثابت ہوں یا ان کے موافق ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ضروری ہے کہ ان قیاسی مسائل کے خلاف کوئی نص شرعی موجود نہ ہو۔

2۔ وہ مسائل جو شریعت کے اصولوں کے ماتحت ہیں اور ان پر بعض آیات یا احادیثِ نبوی دلالت کرتی ہیں، باوجود اس کے کہ بعض آیات یا بعض احادیث مبارکہ ان مسائل خلاف دلالت کر رہی ہیں، لیکن جو آیات یا احادیثِ مبارکہ اس کے خلاف دلالت کر رہی ہیں وہ اصح اور مضبوط طریقے سے مروی نہیں ہیں۔

ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو قبول کیا جائے گا، ان کے خلاف فتوی دینا بھی درست نہیں، اس پر نقلی اور عقلی دلائل موجود ہیں۔[17]

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

3۔ وہ مسائل جو شریعت کے اصولوں کے ماتحت تو آتے ہیں لیکن ان کے مخالف جو مسائل ثابت ہیں وہ بھی صحیح طُرُقْ سے ثابت ہیں۔

ان مسائل کا حکم یہ ہے کہ جس کو علم اور حکمت دونوں سے نوازا گیا ہو اور اس کے اندر اجتہاد کی صلاحیت بھی موجود ہو تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وسعتِ نظر اور غور و فکر کے بعد ان مسائل میں سے اس مسئلہ کے حکم پر فتوی دے کہ جس کی دلیل دوسرے کے مقابلے میں زیادہ قوی اور صحیح ہو۔ اور جس کے پاس نہ ہی علم ہے اور نہ ہی اجتہاد کی صلاحیت موجود ہے تو پھر اس کیلئے جائز ہے کہ ان میں سے جس پر چاہے عمل کرے۔

امام قرافی "الاحکام للقرافی" میں فرماتے ہیں کہ دلائل کے تعارض کی صورت میں فتوی دینا درست نہیں ہے، جب تک وہ مکمل غور و فکر اور دلائل کو اچھی طرح دیکھ نہ لے، ہاں اگر مجتہد یا مقلد ان میں ترجیح دینے سے عاجز ہو جائے تو پھر دلائل کی برابری کی بنیاد پر جس پر چاہے عمل کرے۔[18]

مسائل کی اس تقسیم میں تین چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ مفتی اور عمل کرنے والے کیلئے اس وقت تک فتوی اور عمل کرنا اس مسئلہ پر جس میں اقوال متعارض اور مخالف ہوں جائز نہیں جب تک ان میں سے کسی ایک قول کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جائے۔

۲۔ جب دلائل ایک مسئلہ کے حکم کے بارے میں متعارض ہو جائیں اور مفتی مجتہد کسی ایک کو ترجیح دینے سے عاجز ہو جائے تو پھر مفتی جس پر چاہے فتوی یا حکم دے، اسی طرح مقلد کو جب ایک ہی مسئلہ کے بارے میں دو اقوال متعارض ملیں تو اس کیلئے بھی ترجیح سے عاجز آنے کی صورت میں جائز ہے کہ جس پر چاہے عمل کرے۔

۳۔ وہ مسائل جن کا استخراج یا استنباط قیاس سے ہوا ہے یعنی جو مسائل قیاس سے ثابت ہیں اگر ان کے خلاف کوئی دلیل موجود ہے جو ان سے قوی ہے۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ ادنیٰ کو چھوڑنا اور اعلیٰ کو اختیار کرنا ضروری ہے، قیاس کو چھوڑ کو دوسری دلیل جو اس کے مقابل قوی ہے اس پر عمل کیا جائے گا اور یہ ترک تقلید کی صورت میں عین تقلید ہے۔

ایک مسئلے کے بارے میں مختلف آراء

جب ایک مسئلے کے بارے میں مختلف اقوال ہوں تو فتوی کس پر دیا جائے گا، ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اگر احناف کا کسی مسئلہ پر اتفاق ہے تو پھر قطعی طور پر اسی پر فتوی دیا جائے گا، اور اگر احناف کا اختلاف ہے تو ابتداء

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو مشائخ نے ان میں سے کسی ایک کی یا دونوں کی تصحیح کی ہو گی اگر مشائخ نے ان میں سے کسی ایک کی بھی تصحیح نہیں کی، تو پھر ترتیب کا اعتبار ہو گا کہ سب سے پہلے امام ابو حنیفہ، پھر امام ابو یوسف اور پھر امام محمد کے قول پر فتوی دیا جائے گا۔

اور اگر مفتی مجتہد اہلِ نظر میں سے ہے تو دلیل کی قوت کے اعتبار سے فتوی دے گا۔ اگر مشائخ نے اصح قول کے ساتھ دونوں کا حکم بیان کیا ہے تو پھر مفتی کو اختیار ہے کہ جس پر چاہے فتوی دے اور اگر ایک قول کے ساتھ لفظ اصح کا استعمال کیا ہے، اور دوسرے قول کو مطلقا چھوڑ دیا ہے، تو مفتی پابند ہو گا کہ وہ اس قول پر فتوی دے کہ جس کے ساتھ لفظ اصح کی نشاندہی کی گئی ہے۔

دوسری صورت میں یعنی مشائخ نے ہر ایک کے حکم کی تصحیح تو کی ہے لیکن ایک لفظ اصح اور دوسرے لفظ صحیح کے ساتھ ہے، اس صورت میں فتاوی خیریہ میں منقول ہے کہ جس قول کے ساتھ لفظ اصح کی نشاندہی کی گئی ہے اس پر فتوی دیا جائے گا اور شرح منیہ میں ہے کہ جس کے ساتھ لفظ صحیح کی نشاندہی ہے اس پر فتوی ہو گا۔ لیکن اگر کوئی قول لفظ اصح یا صحیح کے ساتھ نہیں ہے تو پھر مفتی کو اختیار ہے کہ جس پر چاہے فتوی دے۔[19]

حنفیہ کے ہاں معتبر کتب

حنفیہ کی معتبر کتب چار طبقات میں منقسم ہیں:

(۱) معتبر کتب کہ جن کا درجہ سب سے مقدم ہے وہ " ظاہر الروایہ "ہیں جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ ما قبل میں کیا جا چکا ہے۔

(۲) دوسرا درجہ حنفیہ کے ہاں معتبر کتب متون کا ہے ان میں درج ذیل ہیں۔ متاخرین حنفی علماء نے جن تین متون کا اعتبار کیا ہے۔ وہ ''الوقایہ''، ''مختصر القدوری'' اور ''کنز الدقائق'' ہیں۔ اور بعض نے چار متون پر اعتماد کیا ہے، الوقایۃ، کنز الدقائق، المختار اور مجمع البحرین وملتقی النہرین ہیں۔

اگر کتب کے اندر مسائل میں اختلاف اور تعارض کی صورت پیش آئے تو ان کتب کو ترجیح دی جائے گی، جنہوں نے ظاہر الروایۃ کے مسائل کے ذکر کیا ہے اور دوسری وہ کتب قابل ترجیح ہوں گی جن کے مؤلفین کی علمی رفعت دوسروں سے بلند ہے اور یا وہ کتب ارجح ہوں گی کہ جن پر مشائخ نے اعتبار کیا ہے اور ان کے اقوال پر فتوی دیا ہے۔ اس بات کا جاننا انتہائی ضروری ہے کہ جب متون اور ان کی شروحات اور فتاوی جات میں مسائل کے اندر

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

اختلاف نظر آئے، تو اولا اعتبار متون کا پھر معتبر شروحات کا اور پھر فتاوی جات کا ہو گا۔

لیکن اگر تصحیح یا صحیح ہونے کا قول شروحات یا فتاوی جات میں موجود ہو اور اس کی تصریح متون میں صحیح یا ضعیف ہونے کے ساتھ موجود نہیں، اس صورت میں جس میں اصح یا صحیح ہونے کی تصریح موجود ہے اس کو دوسروں پر مقدم کیا جائے گا، ابنِ عابدین نے رد المحتار میں اس کی یہی تصریح اور وضاحت فرمائی ہے کہ جن کتب میں لفظ صحیح یا اصح وغیرہ کے ساتھ وضاحت فرمادی گئی ہے تو فتوی بھی اسی لفظ صحیح یا لفظ اصح والے قول پر گا۔[20]

۱۔ ایک مفتی کے لئے مناسب اور درست بات یہی ہے کہ فتوی دینے کی صورت میں معتبر کتب کے مطالعہ کی طرف رجوع کرے، غیر معتبر کتب پر اعتماد نہ کرے، اگر کوئی مسئلہ کسی کتاب کے اندر پائے اور اس پر کوئی دلیل معتبر کتب میں نہ پائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں مکمل چھان بین کرے، اگر اس پر کوئی دلیل مل جائے بہت ہی اچھا، لیکن اگر اس کو دلیل نہیں ملتی تو پھر بغیر دلیل کے فتوی دینے کی جرات نہ کرے۔

۲۔ جس طرح غیر معتبر کتب پر اعتماد اس صورت میں ہی کیا جا سکتا ہے کہ جب اس میں پائے جانے والے مسئلہ پر کوئی اثر مل جائے وگرنہ فتوی دینا بغیر اثر کے پائے جانے درست نہیں، اسی طرح جو کتب مختصر لکھی گئی ہیں ان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان سے فتوی دیا جا سکتا ہے اگرچہ وہ کتب معتبر ہی ہوں، ممکن ہے کہ اختصار گمراہی کا سبب بنے۔ شیخ علامہ صالح الحسینی نے کہا ہے کہ مختصر کتب جیسے النھر، الدالمختار جو تنویر الابصار کی شرح ہے ان سے فتوی دینا جائز نہیں۔

۳۔ اسی طرح اگر لکھنے والے مؤلف کا علم نہیں جیسے کنز کی شرح جو ملا مسکین نے لکھی ہے اسی طرح شرح النقایہ جو قہستانی کی شرح ہے، تو ان کتب سے بھی فتوی دینے کی اجازت نہیں۔[21]

اسی طرح ان کتب سے بھی فتوی دینا جائز نہیں کہ جن میں اقوال ضعیفہ کو کثرت سے نقل کیا گیا ہے، جیسے "القنیہ" امام زاہدی کی۔ لہذا کتب غیر معتبر سے، مختصر کتب سے اسی طرح جن کے مؤلفین کے بارے میں کوئی علم نہیں، اور جن کتب میں اقوال ضعیفہ نقل کیے گئے ہیں، ان سے مطلقا فتوی دینا جائز نہیں جب تک مسئلہ کی مکمل چھان بین نہ کر لی جائے اور اس مسئلہ پر کوئی دلیل نہ مل جائے۔

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol. 2 | Issue 2 |Jan-June 2019
DOI: 10.33195/uochjrs-v2i(4)1262019

حواشی وحوالہ جات

[1]۔ عبد الرحمن بن محمد ابن خلدون ابو زید،ولی الدین الحضرمی الاشبیلی "مقدمه ابن خلدون" ج،1،ص،436 دار صادر، لبنان، ۱۹۹۰ء

[2]۔ عبدالحیٔ لکھنویؒ مقدمہ عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ، ص،21، ناشر: قدیمی کتب خانہ کراچی،۲۰۰۱ء

[3]۔ مقدمه عمدة الرعاية على شرح الوقاية،ص،28

[4]۔ الشیبانی، محمد، الجامع الصغیر مع شرحه النافع الکبیر،ص4،نیز ملاحظه کریں ،مقدمه عمدة الرعاية على شرح الوقاية،ص،31

[5]۔ مقدمہ عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ، ص،33، نیز ملاحظہ ہو شرح عقود رسم المفتی، ص16

[6]۔ مقدمه عمدة الرعاية على شرح الوقاية،ص،36،35، 37

[7]۔ مقدمه الجامع الصغیر مع شرحه النافع الکبیر،ص،10

[8]۔ عثمانی، محمد تقي، تالیف الشیخ المفتی کمال الدین احمد الراشدی، المصباح فی رسم الفتی ومناهج الافتاء بشرح أصول الافتاء السماحه ، ج،1،ص،306ناشر ،مکتبه عثمانیه

[9]۔ أیضا، ص: 233

[10]۔ تاریخ الفقه والفقهاء،ص،71

[11]۔ المصباح فی رسم المفتی ومناهج الافتاء،ج،1،ص،303

[12]۔ المصباح فی رسم المفتی ومناهج الافتاء،ج،1،ص،306

[13]۔ کشف الظنون،باب الجیم،الجرجانیات، مزید ملاحظه فرمائیں، المصباح فی رسم المفتی ومناهج الافتاء،ج،1،ص،309

[14]۔ المصباح فی رسم المفتی ومناهج الافتاء،ج،1،ص،310-311

[15]۔ مقدمه الجامع الصغیر مع شرحه النافع الکبیر،ص،11

[16]۔ المصباح فی رسم المفتی ومناهج الافتاء،ج،1،ص،314

[17]۔ المصباح فی رسم المفتی ومناهج الافتاء،ج،1،ص،322سے324

[18]۔ شرح عقود رسم المفتی،ص،39

[19]۔ المصباح فی رسم المفتی ومناهج الافتاء،ج،1،ص،31

[20]۔ الشامی و عمر بن عبد العزیز ، رد المحتار،الجزءالاول،ص،72سے73وناشر: ایچ،ایم،سعید کمپنی کراچی

[21]۔ المصباح فی رسم المفتی ومناهج الافتاء،ج،1،ص،285

@ 2017 by the author, Licensee University of Chitral, Journal of Religious Studies. This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).